تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

رجسٹر نمبر ایل ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۲۹

# ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے
سالانہ چندہ دو روپے

| جلد ۱۲ | یکم اگست سنہ ۱۹۵۴ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبد الغفار | ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۳ | نمبر ۳۹ |
|---|---|---|---|---|

## اردو کی کتابوں پر انعامات

انجمن کے بار بار توجہ دلانے کے بعد آخرکار اتر پردیش کی حکومت نے یہ اعلان کیا ہے کہ اردو کی کتابوں پر بھی انعامات دیے جائیں گے۔ ہندی کی کتابوں پر کئی سال سے انعامات دیے جا رہے ہیں اور ہمارا اعتراض یہ تھا کہ اردو کی کتابوں کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے جبکہ اردو اتر پردیش کی ایک مسلمہ زبان ہے۔ غنیمت ہے کہ حکومت نے اس شکایت پر توجہ کی اب ہم حکومت کے پریس نوٹ کی حسب ذیل نقل بجنسہ شائع کرتے ہیں۔

### پریس نوٹ نمبر ۵۶۲

جیسا کہ ہندی کے اہل قلم کو انعامات دینے کی تجویز کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ اب اس میں یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ اتر پردیش کی حکومت نے سنسکرت اور اردو کی اوریجنل تصانیف، فائن آرٹ، سائنس اور ادب کی ہمت افزائی کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان موضوعات پر ہندی لٹریچر فنڈ سے اردو اور سنسکرت کے مصنفین کو بھی انعامات دیئے جائیں۔

سنسکرت اور اردو کے صرف وہ مصنفین جن کا وطن اتر پردیش ہے اور جو چاہتے ہیں کہ ان انعامات کے لئے ان کی تصانیف پر غور کیا جائے اپنی شائع شدہ کتابوں کے چھ چھ نسخے زیادہ سے زیادہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۵۴ء تک حسب ذیل پتے پر بھیج دیں۔

سکریٹری، گورنمنٹ ایجوکیشن
(اے) ڈیپارٹمنٹ، ودھان بھون، لکھنؤ

صرف وہی کتابیں بھیجی جائیں، جو جنوری سنہ ۱۹۵۳ء کے بعد شائع ہوئی ہوں۔ ایسی کتابیں جن پر اشاعت کی تاریخ صاف طور پر لکھی نہ ہو یا ایسی کتابیں جو مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہوں اور غیر مجلد حروف یا اخباروں کے تراشے قبول نہیں کئے جائیں گے۔ صرف اوریجنل تصانیف قابل قبول ہوں گی۔ اور ترجموں پر غور نہیں کیا جائے گا سوائے اس کے کہ وہ کوئی غیر معمولی خوبی اور افادیت رکھتے ہوں۔

یہ کتابیں رجسٹرڈ پارسل (رسید طلب) کے ذریعے مع ایک خط کے بھجوائی جائیں اور ان پر واضح طور پر مصنف کا مستقل پتہ لکھا ہوا ہو۔ ایسی کتابیں جو بھیجی جائیں گی وہ کسی صورت میں واپس نہیں کی جائیں گی۔

اس امر کے متعلق مزید معلومات متعلقہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اس پریس نوٹ میں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ کتنے انعامات اور کس مقدار میں دیئے جائیں گے۔ یہ صراحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر انعامات کی مقدار بہت قلیل ہوئی تو بہت سے اچھے اہل قلم اپنی کتابوں کا پیش کرنا پسند نہ کریں گے۔ اگر اچھے اہل قلم کی ہمت افزائی مقصود ہے تو انعامات کی مقدار معقول ہونی چاہیئے۔

بہرحال صوبۂ اترپردیش میں اردو زبان کی حیثیت کا یہ اعتراف بھی بسا غنیمت ہے۔ اس دعوے سے ہٹ کر کہ اترپردیش میں اردو کوئی زبان ہی نہیں ہے صحیح سمت میں ایک قدم اٹھایا ہے۔ واقعہ ہمارے لئے یقیناً اطمینان بخش ہے۔

اردو کے اچھے لکھنے والوں کو اس موقعے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بنیادی مقصد محض انعام حاصل کرنا ہی نہیں بلکہ اردو زبان کی کتابوں کو حکومت کی نظر میں ان کا صحیح مقام دلانا ہے۔

## اترپردیش میں صوبائی کمیٹی

بعض گوشوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ اب تک اترپردیش میں صوبائی کمیٹی کے قائم کرنے میں جو تاخیر ہوئی اس کی ذمہ داری مرکزی انجمن پر ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ایڈہاک کمیٹی کے ختم ہونے کے بعد جو دستخطی مہم کو چلانے کے لئے مقرر کی گئی۔ اگر صوبائی کمیٹی جلد قائم ہو جاتی تو اردو کی تحریک کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب بھی یہ تجویز مجلس عاملہ میں لائی گئی تو مجلس عاملہ نے اس معاملے کا فیصلہ کرنے میں کوئی غیر ضروری تساہل روا نہیں رکھا۔ بدقسمتی سے بعض ایسے ناگہانی حالات پیدا ہو گئے جن پر انجمن کی ساری توجہ مرکوز ہو گئی اور کچھ عرصہ تک یہ مسئلہ معلق ہو گیا۔ آخرکار ایک تجویز انجمن کے سامنے آئی اور اس کو انجمن نے بالاتفاق منظور کر لیا۔ صورت حال یہ تھی کہ ایڈہاک کمیٹی چونکہ ایک عارضی کمیٹی تھی اور اس کو ایک خاص کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا جو اس نے بڑی کامیابی سے انجام دیا۔ اور وہ تمام اضلاع کی نمائندہ نہ تھی۔ اس لئے بعض ممبران ایڈہاک کمیٹی کو بحیثیت صوبائی کمیٹی کی صورت میں منتقل کرنے پر آمادہ نہ تھے اور ایسا مناسب بھی نہ تھا جب تک کہ اس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ صوبائی تشکیل میں تمام اضلاع کی شاخوں کی کافی نمائندگی ہو گی۔

گزشتہ فروری میں جب یہ مسئلہ مجلس عاملہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اسی مصلحت کے تحت کہ مجوزہ صوبائی کمیٹی میں تمام شاخوں کو نمائندگی ملے بہ اتفاق آراء یہ قرارداد منظور کی کہ ایک سب کمیٹی صوبائی کمیٹی کی تشکیل کے لئے نئے قواعد و ضوابط کا مسودہ تیار کرے۔ چنانچہ جلد سے جلد اس کمیٹی کا جلسہ کیا گیا اور اس کے مجوزہ قواعد و ضوابط سہ ماہی جنرل کونسل کے جلسہ میں پیش ہو کر بغیر کسی اختلاف کے منظور ہو گئے۔ میں نے فوراً ہی ان قواعد کے تحت ضروری کارروائی شروع کر دی۔ باوجودیکہ اس عرصے میں میری صحت بہت خراب رہی لیکن اس کام میں میں نے کوئی تاخیر نہیں ہونے دی۔ فوراً ہی تمام شاخوں کو لکھا گیا کہ اپنے حقیقی ممبروں کی صحیح تعداد بتائیں تاکہ یہ طے کیا جائے کہ قواعد کے مطابق کس شاخ کو ایک یا کس شاخ کو دو نمائندے صوبائی کمیٹی میں شریک کرنے کا اختیار ہوگا اور

پھر اس سے کہا جائے کہ وہ اپنے نمائندے یا نمائندوں کا انتخاب کرے تاکہ یہ سب نمائندے ایک جگہ جمع ہو کر جلد سے جلد صوبائی کمیٹی کے عہدیداران اور عاملہ کا انتخاب کر لیں۔

افسوس ہے بار بار یاد دہانیوں کے باوجود (جو خطوط اور ہماری زبان کے ذریعے سے کی گئیں) اب تک چند ہی شاخوں نے صحیح جواب دیا ہے اور مجھے یہ گمان ہے کہ بعض شاخوں کی رکنیت محض مصنوعی ہے اس لئے وہ میرے مراسلوں کا جواب نہیں دیتیں۔ ایسی تمام شاخوں کو انہیں توڑنا پڑے گا اور فوراً نئی شاخیں قائم کرنی پڑیں گی۔

بعض شاخوں نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ ان سے مشورہ کے بغیر نئے قواعد بنائے گئے اور اب وہ ان کی مرضی کے خلاف ان پر لادے جا رہے ہیں۔

بہت عرصے سے بعض دوستوں کا یہ خیال تھا کہ صوبائی کمیٹیوں کی تشکیل جمہوری طریقے پر ہونی چاہیے تاکہ ان کمیٹیوں کے ساتھ ماتحت شاخوں کی وابستگی ہو۔ اس خواہش کا لحاظ کر کے انجمن نے نئے قواعد مرتب کئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس زمانے میں ہر شخص جانتا ہے۔ جمہوری طریقہ کار میں طوالت اور الجھن بھی ہوتی ہے اور جو کام ایک ہفتے میں مکمل ہونا چاہیے وہ مہینوں تک قاعدے اور ضابطے کے نشیب و فراز سے گزرتا رہتا ہے۔ یہ صورت حال تقریباً لاعلاج ہے اور اس پر اکثر شاخوں کی بے توجہی اضافہ کرتی ہے۔

بہرحال میں تمام دوستوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جس وقت سے انجمن نے نئے قواعد کے تحت صوبائی شاخ کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مرکزی دفتر نے اپنے فرض کے انجام دینے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کی۔ بلاشبہ یہ بہتر ہوتا کہ انجمن میں یہ مسئلہ ایڈہاک کمیٹی کے ختم ہو جانے کے بعد فوراً ہی طے ہو جاتا اور اس طرح دستخطی مہم کے بعد جو حالات بدلے ہیں ان میں عوام کی رہنمائی کرنے کے لئے ایک مضبوط تنظیم قائم ہو جاتی۔ جس کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ تاہم جہاں تک مجھے اطلاع ہے بعض باا ثر شاخوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے۔ لکھنؤ، الہ آباد، اعظم گڑھ، بستی، کانپور، بلہواں، علی گڑھ اور دوسری متعدد شاخیں یہ کام کر رہی ہیں۔ اور اکثر اضلاع میں جمعیۃ علماء کے کارکن پورے جوش کے ساتھ عوام کو سمجھا رہے ہیں کہ کیا کرنا ہے اور ضروری فارم وغیرہ تقسیم کر رہے ہیں۔ جن شاخوں نے اب تک باوجود ہمارے بار بار لکھنے کے اس طرف توجہ نہیں کی ان میں زیادہ تر وہی ہیں جو اپنے ممبروں کی صحیح تعداد بھی نہیں بتا سکتیں۔

جو شاخیں اس وقت بچوں کو مدرسوں میں داخل کرانے کی جدوجہد کر رہی ہیں وہ مہربانی کر کے صدر دفتر کو اپنی کوششوں کے نتائج سے مطلع کرتے رہیں۔

صدر دفتر نے اسپیشل افسر صاحب سے اتصال پیدا کر لیا ہے اور شاخوں کی جو شکایتیں وصول ہوتی ہیں ان پر فوراً صاحب

موصوف کو توجہ دلائی جاتی ہے۔

---

# قومی زبانیں اور انکی نشو ونما

مدن گوپال کی کتاب "دادھا ہندی کا"

## (دسواں باب)

اپنے مستقبل کی قومی زبان کی صورت اور ہیئت کے عمومی تخیل کو سمجھنے کے لئے ان چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(الف) دوسری قومی زبانوں کی تاریخ۔

(ب) اپنی اہم زبانوں کی تاریخ۔

(ج) آج کی دنیا کے رجحانات۔

رومی سلطنت کے عروج اور توسیع کی وجہ سے لاطینی یورپ کی مشترکہ زبان ہو گئی تھی اور یہ حیثیت اس وقت تک قائم رہی جب تک رومی سلطنت کا اقتدار رہا۔ اصل میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ رومی سلطنت کا قیام اس لئے بھی ممکن تھا کہ رسل و رسائل کا مسئلہ حل ہو گیا تھا یعنی (الف) سڑکوں کی تعمیر (ب) اور باشندوں کو ایک مشترکہ زبان۔ سلطنت کے زوال کے بعد لاطینی زیادہ عرصے تک باقی نہ رہ سکی گو کہ عیسائی چرچ نے اس کو زندہ رکھنے کے لئے جان توڑ کوششیں کیں۔ لاطینی کی موت کے بعد جس زبان کو یورپ میں ادبی مرتبہ حاصل ہو سکا وہ ہسپانوی تھی۔ آٹھویں صدی کی ابتدا میں جب مسلمانوں نے اسپین پر چڑھائی کی، اس وقت تین بولیاں ملک میں بولی جاتی تھیں۔ خاص کر شمال کے لوگوں کی بہادرانہ مہم کی وجہ سے مسلمانوں کو آہستہ آہستہ اسپین سے نکال دیا گیا اس لئے شمالی بولی جنوب میں پھیلنے لگی۔ اس کے باوجود وہ جنوبی بولیوں کو دبا کر اپنی جگہ بنانے میں اس وقت تک کامیاب نہ ہو سکی جب تک تیرھویں صدی میں اعلیٰ درجے کی عام فہم نظمیں اس بولی میں نہ لکھی گئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہسپانوی کی نشو و نما میں دو قوتوں نے مدد کی پہلی سیاسی دوسری ادبی۔

پیرس صدیوں سے فرانس کا دارالسلطنت رہا ہے، بادشاہ اور اس کے دربار کے رہنے کی وجہ سے وہ تجارت کا اہم مرکز بھی بن گیا۔ جیسے ہی فرماں روا کی طاقت بڑھی دربار کی زبان کی شہرت بڑھی اور وہ تجارتی کاموں اور سرکاری دنیا میں پھیلنے لگی۔

انگریزی زبان کی تاریخ بھی فرانسیسی کی تاریخ کی طرح ہے۔ لندن کی بولی جو کہ دارالسلطنت ہے باہر پھیلی اور پھر سارے انگلستان کی زبان بن گئی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اسپنسر کی انگریزی نے شہرت حاصل کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسپنسر کی نظمیں مشہور ہوئیں کیونکہ اس بولی میں اس نے نظم لکھی تھی جو مشہور ہو چکی تھی۔

جرمنی زبان کی کہانی مختلف ہے۔ برلن تو حال ہی میں جرمنی کا دارالسلطنت بنا ہے۔ اور برلن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسے دوسرے قصبات پر فوقیت دے سکے۔ لوتھر ایک مذہبی مصلح تھا جو زبان وہ بولتا تھا وہ اس کے مذہب کے ساتھ ساتھ پھیلی۔ لوتھری ممالک میں یعنی جہاں پادریوں کی حکومت نہ تھی۔ وہاں عوام کی بولی پر زور دیا جاتا ہے اور اس سے منتخب بولی کے پھیلنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کی بول جرمن اسکولوں میں کافی عرصے بعد آئی۔ پھر وہ سرکاری رسل و رسائل کا ذریعہ مقرر ہو گئی تھی۔ لوتھر کی انجیل آسان زبان میں تھی اس لئے اس کے پھیلنے میں آسانی ہوئی۔ کچھ زمانے کے بعد اس کو منتخب صوتی صورت مل گئی۔ آج بھی جرمنوں کا ایک بہت بڑا حصہ پڑھے لکھے طبقے کو شامل کر کے دو زبانیں بولتا ہے۔ ان معنوں میں کہ معیاری جرمن زبان تعلیم کے لئے استعمال کرتا ہے اور روزانہ کی ضروریات کے لئے مقامی بولی استعمال کرتا ہے۔

روسی زبان کی تاریخ ہم ہندوستانیوں کے لئے زیادہ دلچسپ ہے۔ کئی صدیوں تک روس کی ادبی زبان سلاوی تھی۔ یہ خاص زبان اس وجہ سے تھی کہ سب سے پہلے انجیل کا ترجمہ اسی میں ہوا تھا۔ روسی برہمن اس کو ایک مدت تک زندہ رکھے رہے اور اسے اہمیت حاصل رہی۔ گو کہ تمام کتابیں سلاوی میں لکھی جاتی رہیں اور پادریوں کی کوششوں کے باوجود سلاوی زبان مقامی بولیوں کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ سلاوی زبان کی وہی حیثیت روس میں تھی جو سنسکرت کی ہندوستان میں تھی۔ روس کا دارالسلطنت ماسکو رہا ہے۔ پیٹر اعظم کے زمانے میں... دارالسلطنت کی زبان نے اپنے اثر کے زور سے آہستہ آہستہ دوسرے حصے کی بولیوں کو اپنے میں ضم کر لیا۔ یہ ایک واضح مثال اس بات کی ہے کہ جغرافیہ نے برہمنوں کو شکست دی اور وہ بھی ایک ایسے زار کے ملک میں جو پادریوں کے اشارے پر چلتا تھا۔

آج روسی زبان جرمنی اور فرانسیسی کی اولیت کے لئے چیلنج ہے، اس لئے کہ روس دو اہم طاقتوں میں سے ایک ہے۔ روس صرف نقلی ہمت افزائی نہیں کرتا بلکہ مقامی بولیوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ اس قسم کی رواداری لسانی اور تہذیبی پالیسی کا بڑا اچھا اثر ہو رہا ہے اس لئے کہ لوگ روسی کو دوسری زبان کی حیثیت سے خوشی سے سیکھ رہے ہیں۔ دوسرے روسی زبان میں دنیا کا عظیم اور خوبصورت ادب ہے اور اس میں تذکیر و تانیث، مذکر مونث اور دوسرے قواعد کے پیچیدہ مسائل کم ہیں۔ دو کروڑ آدمیوں نے ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۴ء تک روسی زبان سیکھ لی تھی۔ روسی تمام سوویٹ کو منسلک کرنے والی زبان ہے اور وہاں کے باشندے اس کو سمجھنے سے قاصر نہیں ہیں اس لئے

کرنے زبان سیکھنے سے تہذیبی، سیاسی اور معاشی فوائد ہیں۔

فن لینڈ میں نئے زمانے تک غیر ملکی سویڈی زبان ہی ادبی زبان تھی۔ فنش لوگوں کی گفتگو کی زبان بھدی سمجھی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں قومی آزادی کے خیالات کے ساتھ فنش زبان نے بھی اہمیت حاصل کرنا شروع کی۔ چیکو زبان جو اونچے طبقے کے استعمال کی وہ ایک بولی تھی۔ ایسے ہی جیسی کہ دارالسلطنت تھا، اس کے بعد الفاظ دوسرے اضلاع سے آئے اور زیادہ سے زیادہ استعمال ہونے لگے۔ اس طرح اس کا مقامی رنگ ختم ہو گیا اور وہ ملک کی مشترکہ زبان بن گئی اور جلد ہی اس نے اپنا ایک مزاج بنا لیا۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں جب قومیت کے تصورات پہلی بار اہمیت حاصل کر رہے تھے، چیکو سلوواکیہ کے چند قوم پرست ایک سڑک سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے دو چیکو سلوواک لڑکیوں کو یہ کہتے سنا کہ وہ چیکو سلوواک زبان میں باتیں نہ کریں، ورنہ لوگ انھیں نوکرانیاں سمجھیں گے۔ اس وقت سے کہ آسٹریا کے جرمن بولنے والوں نے چیکو سلوواکیہ پر قبضہ کر لیا تھا چیکو سلوواک زبان کا بولنا اعلیٰ طبقے کے لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ مگر قوم پرست افراد نے شعوری طور سے چیکو سلوواکیہ کی زبان کو ادبی زبان بنانے کی مہم شروع کی جس پر لوگ فخر کر سکیں۔ انھوں نے پراگ کے قرب و جوار کی بولی کو منتخب کیا اور کامیاب ہوئے۔ یہ کامیابی چیکو سلوواکیہ میں جدید قومیت کی تشکیل کی ذمہ دار ہے۔

آئرش، آئرلینڈ کی زبان ہے، اس کی بنیاد ڈبلن کے اطراف میں بولی جانے والی بولی پر ہے۔ اس کو بہت پہلے ختم ہو جانا چاہیئے تھا لیکن انگریزی نے آئرش کے درپے ہو کر اسے ختم ہونے سے بچا لیا۔ اس میں علاوہ السیٹر کے کہیں باقی رہنے کی شکل ہی سے صلاحیت ہے۔ آج کے اعداد و شمار سے تیس لاکھ آئرش متاثر ہوئے ہیں جن میں ۲۹۰۰۰۰۰ انگریزی بول سکتے ہیں اور صرف ...... آئرش بولنا جانتا ہے۔

تمام یورپی زبانیں میں اطالوی زبان، ہسپانوی کے علاوہ ایسی ہے جو کسی دارالسلطنت کی مدد کے بغیر پروان چڑھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالسلطنت کی زبان کے مقابلے میں فلورنس کی بولی اپنی گئی۔ چودھویں صدی کے تین اول درجے کے شاعر دانتے، پٹرارک اور بکاچیو فلورنس میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے قصبے کی بولی میں تخلیق کی۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اٹلی کی تمام بولیوں میں فلورنس کی بولی لاطینی سے بہت ملتی ہوئی تھی۔

یورپ کی قومی زبانوں کے مندرجہ بالا سرسری جائزہ سے ہم کو یہ پتہ چلتا ہے کہ دارالسلطنت میں بولی جانے والی بولی ہی آخر میں ملک کی قومی زبان بننے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اس لئے ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ دلی کئی صدیوں سے دارالسلطنت رہ چکا ہے اور آج بھی ہندوستان کا دارالسلطنت ہے اس لئے "ہندی والوں" کی یہ تمام کوشش کہ بنارس، میرٹھ یا بجنا پور کی بولیاں قومی زبان کی بنیاد میں محض بکواس ہے۔ میں نے آج تک کسی بنارس کے برہمن کو یہ کہتے نہیں سنا کہ اس سے اچھا کوئی دوسرا ہندوستانی پیدا ہی نہیں ہوتا ہے اور جہاں تک شاعری کا تعلق ہے جدید ہندی شاعری کی قیمت آج بھی نہیں جتنی کہ اس کاغذ کی جس پر وہ لکھی جاتی ہے۔ کسی حال میں اس شاعری میں کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ اس پنجابی اور مغربی ... سے کیا جا سکے۔ زبان جغرافیہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ ماگزرے دور میں یہ ممکن نہیں تھا لیکن اس جمہوری دور میں عوام کی رائے سے ہی زبان بنتی ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ کوئی لفظ کسی اونچے طبقے ... آیا ہے، اس کا استعمال عام اسی وقت ہو سکتا ہے، جب عوام اس کو برتنے لگیں۔

شاید ہم لوگوں کے لئے ہندوستان میں بہ نسبت یورپ کے ان ایشیائی ممالک کی تاریخ جہاں قومی زبان بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں زیادہ مفید ہو۔ ایشیائی ممالک تین حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) ایشیائی بالشویک ریاستیں جو روس کے تحت ہیں۔

(۲) ایشیائی ریاستیں جو غیر ملکی اقتدار سے باہر ہیں۔

(۳) وہ ممالک جنھوں نے بہت بعد کو آزادی حاصل کی جیسے ہندستان۔

ایشیائی ممالک میں جو سب سے پہلے مغربی رنگ کی قومیت کا شکار ہوا وہ جاپان تھا۔ جاپان گو کہ کئی جزائر پر مشتمل ہے زبان کے لحاظ سے ایک ملک ہے۔ عام طور سے یہ نہیں معلوم ہے کہ جاپانی زبان کے معاملے میں خاندان کی طرح سے ایک ہے۔ ٹوکیو کے اطراف کی بولی ایک مشترکہ بولی ہے۔ جاپان، چین اور ہندوستان صدیوں تک الگ الگ رہے ہیں، اس سے لازمی تھا کہ احساس برتری کا رویہ ان میں پروان چڑھتا۔ وہ ایک دوسرے کے ملک کو جانے بغیر اپنی تہذیب کو پسندیدہ سمجھنے لگے۔ جب مغربی تہذیب کی بابت جاپان کو علم ہوا تو وہ سخت مایوس ہوئے کہ آرٹ اور ترقیات جاپان کو برابری نہیں دیتے ہیں۔ وہ جلد ہی اپنی خامیوں کو جان گئے اور اس راز کو معلوم کرنے کے کوشاں ہو گئے کہ کس طرح مغرب نے عزت اور طاقت حاصل کی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے مغربی سائنس کا مطالعہ کیا اور زیادہ سے زیادہ عام فہم بنانے کے لئے انھوں نے آسان اسلوب کی زبان کو ترقی دی تاکہ مغربی علوم کا اثر پھیل سکے اور سب کو طروں کی نوکرانیاں تک سمجھ سکیں۔ ایک بڑا سبق جو ہم ہندوستانی جاپان سے سیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تعلیم کو عام کریں۔ جاپانیوں نے گفتگو کی زبان کو پوری طرح سے استعمال کیا اور ادبی رنگینی اور آرائشوں سے احتراز کیا جس نے کلاسیکی سنسکرت کے ادب کی سیدھی سادی خصوصیات کو مسخ کر دیا اور ان کے نقالچی ہندی کے ادیبوں کو بھی۔ ـــــ شاید آسان زبان اور ذات پات کے خاتمہ، ان دو وجوہ

کی بنا پر جاپان نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔

دوسرا ایشیائی ملک جو قومیت سے متاثر ہوا وہ ترکی تھا، ترک لوگ ایک ہم نوع قوم ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنے مولویوں کی ساحری میں اسیر تھے۔ کمال ایک حقیقت پسند تھا۔ جیسے ہی اس کو اقتدار حاصل ہوا اس نے اپنے ہم وطنوں کو ان لوگوں سے بچانے کا تہیہ کر لیا۔ صدیوں کے تعصبات کو ختم کرنا بہت دشوار ہے خطرناک امراض کا فوری علاج ضروری ہوتا ہے۔ مولویوں کی طاقت کو توڑنا ضروری تھا، اس کے لئے سب سے پہلا قدم "جادو" کو ختم کرنا تھا، یعنی الفاظ کے تقدس کا زائل کرنا عوام کی سمجھ کو کم کرنے کے لئے مولویوں نے بیکار اور ادق بے شمار عربی کے الفاظ ترکی میں داخل کر دئیے تھے۔ کمال نے حکم دیا کہ آئندہ سے کوئی فارسی یا عربی کا لفظ ترکی میں نہ استعمال کیا جائے۔ صرف ایک ڈکٹیٹر ہی ایسا حکم دے سکتا تھا۔ اور صرف وہی جس کو قوم کی عزت اور محبت حاصل ہو۔ اس سخت قسم کے فرمان کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ تمام عربی اور فارسی الفاظ جو ممنوع قرار دئیے گئے تھے اور ترکی ساخت میں داخل ہو گئے تھے ان کے نکلے جانے سے زبان آسان نہیں ہوئی بلکہ اور مشکل ہو گئی جب تک کہ نئے الفاظ زبان زد نہیں ہوئے۔ لیکن اس طرح خاص مقصد حاصل ہو گیا اور ترکوں کو مولویوں کے شکنجے سے نجات مل گئی اور نیا تصور حیات کامیابی سے پورا کیا جا سکا۔ ترک یورپ کا بیمار انسان آج بہت طاقتور ایشیائی ہے مقصد کے پورا ہونے کے بعد عربی اور فارسی کے الفاظ ممنوع نہیں رہے اور کچھ قدرتی طور سے واپس آ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ مغربی الفاظ آٹوموبائل فوٹوگرافی، اور اسٹاٹسٹک، آٹوموبل، فوٹوگراف اور اسٹاسٹک میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

اسٹاسٹک کا آئی، ترکیوں، ہندوستانیوں اور دوسرے ایشیائی لوگوں کے لئے دو اہم آہنگ الفاظ بغیر حرف علت کے ادا کرنا دشوار ہے ہماری آج کی ٹیکسٹ بک دورِ کتابیں، کی طرح جن میں ماضی کی عظمت کے جھوٹے دعوے ہیں، ترکی کی نئی کتابوں میں بھی مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا تھا: بچوں کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ ترک سب سے پہلے مہذب لوگ تھے اور انھوں نے ہی تہذیب تمام دنیا میں پھیلائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن کس طرح ایک ہی رخ میں تمام سرزمینوں اور ادوار میں کام کرتا ہے اور حقیقتاً یہ ہے کہ جو قوم جنم دینے میں مصائب اٹھاتی ہے وہ ہی نئی قوم بن سکتی ہے۔

ہماری ہند حکومت کا نظریہ ہی مختلف ہے۔ ہمارے لئے روحوں کی نجات معاشی ترقی اور جسمانی خوشحالی سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے ہماری روحوں کی بھلائی کے لئے وید اور پرانوں کے مقدس اور جادو ئی الفاظ استعمال کئے جائیں تاکہ ہماری ذہنی صلاحیتیں کم ہو جائیں اور ہم لوگوں کو اس قابل بنا سکیں کہ اس دنیا کے مصائب کو صبر کے ساتھ برداشت کر سکیں اس خوش عقیدگی میں کہ دوسری دنیا میں مسرتیں ملیں گی۔

میرا یقین ہے کہ چین ہی دوسرا ایشیا آزاد ایشیائی ملک ہے جس نے کہ قومیت کا میٹھا زہر چکھا ہے۔ چین ایک وسیع ملک ہے اور گھنا آباد ہے اور شاید اس کی تہذیب بھی سب سے قدیم رہ چکی ہے۔ چینی تعلیم جو مصری کا مقابلہ کرتی ہے ۳۳ صدی قبل مسیح تک جاتی ہے گو کہ وہاں سلاطین کا سلسلہ رہا ہے لیکن جہاں تک نظر جاتی ہے۔ چین کے حکمران ہمیشہ اشور رہے ہیں بنیادی ہندوستانی کے باب ۱۳ پر میں نے مختصراً چینی قومی زبان کے مسئلے کا ذکر کیا تھا اور قاری سے درخواست کروں گا کہ اس حصے کو دوبارہ دیکھ لیں تاکہ اس بیان میں اضافہ ہو جائے۔

چین میں قومی زبان اور قومیت کا جنم قریب قریب ایک ساتھ ہوا ہے۔ جیسے ہی ملک بیدار ہوا۔ اس نے کاہلی کو ختم کر دیا جو کہ ایشیائی ممالک کی عام صفت بن چکی تھی یہ نیا تصور اس وقت شروع ہوا جب ہوشیہ نے ۱۹۱۷ء میں یہ تحریک شروع کی کہ قدیم شاعری اور تحقیق کی زبان کے بجائے بولی جانے والی اور عام فہم زبان اختیار کی جائے۔ ہندوستان کی طرح سے چین میں بھی ماضی ایک مرض کی طرح سے تھا جو کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا رہتا تھا اور چین میں مدتوں پرورش پاتا رہا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے۔ تاکہ دوبارہ تندرستی حاصل کی جا سکے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ مریض نیا طرز رہائش، نئے رسوم، نئے خیالات اور بولنے اور لکھنے کے لئے نئی زبان اختیار کرے۔ چینی تاریخ قدیم قواعد کی ساخت میں اتنی پیوست تھی جیسے کہ قدیم سنسکرت زبان اور ہمارے برہمنوں، سادھوؤں اور دوسرے خوانچہ خور سننے والوں کی طرح چین میں بھی لاکھوں شخص تھے جو کہ اسی کے سہارے زندہ رہتے اور موٹے ہوتے جاتے تھے اور غریب کسانوں اور مزدوروں کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ نسلوں کی روایات کا توڑنا سخت دشوار ہے، ان کے پاس عجیب طاقت ہے جیسے پاگلوں کی گرفت گو کہ ہوشیہ آخرکار کامیاب ہوا لیکن اس کو کئی سال لگ گئے اور پھر خوانی انتخاب بھی ہوا۔ گو کہ ترقی اسی تحریک کو ہوئی لیکن کچھ باقی ماندہ لوگ ابھی قدیم روش اختیار کیا۔ یہ تحریک پیکنگ یونیورسٹی میں شروع کی گئی اور اس کے صدر کی وسعت نظری تھی چین میں ایسے ماہر تعلیم کا ملنا بہت آسان ہے، جیسا اپنی شہرت اور تنخواہ کے مقابلے میں ملک کی بھلائی کی زیادہ فکر رکھتا ہے۔ ابھی ہندوستان ایسے آدمی کی تلاش کرتی ہے۔ میں بہت سے پروفیسروں سے ملا۔ لیکن وہ جو صاحب چاہتے ملک اور عوام کے لئے جدوجہد کر سکے ابھی مستقبل کے پردہ میں ہے۔

چین میں ان لوگوں کو جو زبان کی حیثیت بدلنا چاہتے۔ دلال، حامی، اور اسی قسم کے گرے ہوئے الفاظ سے جیسے وہ مجبور ہوئے تھے مغربی کے ہاتھوں خود کو فروخت کر دیا تھا جو چینی روایات کے اہل نہیں اور چینی تہذیب کے دشمن ہیں یاد کیا جاتا تھا یعنی وہی تمام گالیاں دی جاتی تھیں جو آج ہندی کے حامی ہندوستانی کے شیدائیوں کو دیتے ہیں۔ کسی نے ہمارے

تو۔ یہ جنگ آتنی ہی نقصان دہ تھی جتنی ہندوؤں کی جنگ۔ تاریخی اعتبار سے یہ بہت سی جنگوں سے زیادہ اہم تھی۔ اس سے کہ چینی تہذیب کا پورا عارتی ریگ جل گیا تھا۔ اس نے مردہ تعقلاب کو جنم دیا۔ چیانگ کائی شیک کی قومی حکومت جو چینی برہنوں کی زبان کی حمایت کرتی تھی۔ خالی ہاتھوں جنگ ہوئی گئی جب کہیں جاکر چو اتی زبان کو اقتدار حاصل ہو سکا۔ چین ایک جلتی ہوئی بھٹی بن گیا۔ ایک گرداب۔ تضادات کا ایک انبار ——— لیکن چینی زبان اس آگ سے گزرنے کے بعد سونے کی طرح پاک اور صاف ہو گئی۔ (م م)

(باقی آئندہ)

# اردو زبان اور دیوناگری رسم الخط

(از سید یوسف حسینی، حیدرآباد۔ دکن)

آج کل بعض گوشوں سے اردو کے رسم الخط کو بدلنے اور اس کی جگہ ہندی رسم الخط کو اختیار کرنے کے مشورے دیئے جا رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مطالبہ کرنے والے کیوں سنجیدگی سے غور کئے بغیر اندھا دھند مطالبہ کر بیٹھتے ہیں۔ کیا دنیا کی ایک مقبول زبان کو جو ماضی کا شاندار ریکارڈ رکھتی ہے اور حال کی دنیا کی تیسری بڑی زبان بن چکی ہے اور مقبول ہوتی جا رہی ہے اور جس کا ادبی ذخیرہ دنیائے ادب کے لئے باعث فخر ہے یوں ملیامیٹ کیا جائے ——— یہ مطالبہ کہ اردو کو ہندی رسم الخط میں لکھا جائے صرف ہندی کے قومی زبان قرار دیئے جانے اور اپنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے کیا زبانیں اور اس کے رسم الخط اچانک معرض وجود میں آجاتے ہیں کہ انہیں یوں موقوف کر دیا جائے ——؟

"بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے"

یہ کہنا کہ ساری زبانیں ایک رسم الخط میں لکھی جانے سے ہندوستان کے مختلف طبقوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ رنجشیں دور ہو جائیں گی ——— تعصب ختم ہو جائے گا۔ کہاں تک صحیح ہے؟ کیا اتحاد پیدا کرنے، رنجشیں دور کرنے اور تعصب ختم کرنے کے لئے ایک رسم الخط کا بدل دینا ہی ہندوستان میں ایسا انقلاب لائے گا ——؟ یا ایسے انقلاب لانے کے لئے تنگ نظری دور کرنے ——— وسیع النظری اور جیو اور جینے دو کی پالیسی ضروری ہے ——؟ کیا ہندوستان کی تاریخ میں اب تک کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے کہ سارے ہندوستان کا رسم الخط ایک ہی تھا؟ اور اگر ایسا نہیں تھا تو ہندوستان جنت نشان کیونکر بنا ہوا تھا مختلف فرقوں میں ہم آہنگی کیونکر تھی؟ اور کیسی عدیم المثال رواداری کا درس دنیا کو دیا گیا ——— ایک رسم الخط کے نہ ہونے پر بھی ہندوستانی کیسی کیسی ترقی کی منزلیں طے کیں، کہ دنیا والے للچائی نظروں سے ہندوستان کی طرف دیکھتے۔ کیا ہندوستان کے ماضی کو سامنے رکھ کر ایک رسم الخط کی اس نئی تحریک پر غور کریں تو اس میں ذرا بھی وزن ہو گا۔

ساری زبانوں کو ایک رسم الخط میں لکھا جا سکنے کا خیال بھی ایک خیال ہی ہے۔ جس کی عملی دنیا میں کوئی وقعت نہیں۔ اس ضمن میں ترکی کی مثال پیش کرنا کہ ترکی سارے ترکی ادب کو عربی رسم الخط سے رومن رسم الخط میں کیونکر منتقل کر سکا۔ ہندوستان کا لحاظ کرتے ہوئے موزوں نہیں ہے۔ ترکی میں ترکی ادب کو رومن رسم الخط میں منتقل کرنے کا کام ترکی حکومت نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ ترکی ادب کو عربی سے رومن رسم الخط میں منتقل کرنے کا کام ترکی کے لئے اس لئے آسان تھا کہ وہاں ہندوستان کی طرح بیسیوں زبانیں نہیں تھیں ——— ہندوستان کی مثال ترکی سے بالکل برعکس ہے۔ نہ یہاں کی حکومت ساری زبانوں کے ذخیروں کو دیوناگری رسم الخط میں منتقل کر سکتی ہے نہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہا سکتی ہے ——— اگر اس کا جواب یوں دیا جائے کہ سابقہ ذخیروں کو محفوظ کرنے کے لئے ہندی رسم الخط میں منتقل کرنے کا کام اپنی اپنی زبانوں کے بہی خواہوں کو کرنا چاہئے تو یہ صاف طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر دوسری زبان والے اس کام کو کر سکتے ہوں تو کیا کریں۔ لیکن اردو زبان والے تو نہیں کر سکتے ——— اردو زبان والوں کے پاس اتنا سرمایہ و وسائل وجود نہیں ہیں کہ وہ صرف اسی کام میں (اگرچہ یہ کام بھی کچھ آسان نہیں ہے) جدید تخلیقات کا کام چھوڑ چھاڑ کر لاکھوں روپے صرف کر دیں اور اس طرح سے زبان کی مزید ترقی کو روک دیں۔

یہ خیال کہ ساری زبانوں کا لٹریچر دیوناگری میں منتقل کیا جا سکتا ہے محض دل خوش کن اور خیالی پلاؤ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کم از کم کسی ایک زبان ہی کا سابقہ لٹریچر دیوناگری رسم الخط میں منتقل کر کے دکھا دیا جائے؟

یوں بھی کسی کا یہ کہنا کہ سارے ترکی ادب کو رومن رسم الخط میں منتقل کر دیا گیا خود ناقابل یقین ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ محض رسم الخط کی تبدیلی سے ترکی میں ایسا کون سا انقلاب عظیم آگیا ——؟

کوئی صاحب یہ کہتے ہیں کہ "مجھے اردو کا مستقبل ہندوستان میں تاریک معلوم ہو رہا ہے اور مسلمانوں کے برسر اقتدار رہنے تک سرکاری زبان اردو رہنے کی وجہ سے یہاں کے ہندوؤں نے اسے اعزاز و کریا حاصل کرنے کے لئے سیکھا تھا۔ اور اب ہندوؤں نے ہندی کو قومی زبان قرار دیئے جانے کے بعد سے اردو پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اور ایک زمانہ آئے گا جب اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہو کر رہ جائے گی۔"

پھر یہ فرمایا جاتا ہے کہ راہ نجات اسی میں ہے کہ اردو والے اردو کتابوں، رسالوں اور اخباروں کو دیوناگری رسم الخط میں شائع کریں تو ہندی جاننے والے بھی خریدیں گے اور اس طرح اردو کی اشاعت بڑھ سکتی ہے۔ اگر یہ باتیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم الخط قبول کر لینے کے بعد

ہندی داں طبقہ اردو کی اشاعت میں مدد دے گا۔ جب اردو کو محض مسلمانوں کی زبان سمجھا جاتا ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ صرف رسم الخط کی تبدیلی سے ہندی داں اصحاب اردو پر مہربان ہوجائیں گے اور اس کی اشاعت میں مدد دیں گے باوجود اس کے کہ اردو کی کوئی سرکاری اہمیت نہیں رہے گی۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بازار میں دوسری ساری زبانوں کا لٹریچر ناگری رسم الخط میں موجود ہونے کے بعد لوگ خاص طور پر اردو ہی کا لٹریچر ناگری رسم الخط میں خریدیں گے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ساری زبانوں کا لٹریچر ہندی رسم الخط میں ہوگا تو اردو رسم الخط ایک ہی زبان اردو پھر جاذبیت پیدا کرلے۔ اور ہندی داں طبقہ ایک نئے رسم الخط کو سیکھنے اور پڑھنے کے شوق میں اپنا تعصب بھول جائے اور اردو کی طرف مائل ہوجائے۔

اب رہی یہ پیشین گوئی کہ اردو کا مستقبل ہند میں تاریک ہے تو اس کا جواب مستقبل ہی دے سکتا ہے۔ اردو کی بے شمار خوبیوں و صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے جو باوجود اپنی کمسنی کے بین الاقوامی زبان بن گئی ہے اور مزید مقبول ہوتی ہی جا رہی ہے۔ اور دنیا کے بیشتر ممالک میں رواج پا چکی ہے اور رواج پا رہی ہے۔ اور دنیا کی تیسری مقبول و کثرت سے بولی اور سمجھی جانے والی زبان قرار دی جاچکی ہے۔ کیا ان حالات کی روشنی میں اور محبان اردو کی سرگرمیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ بھی نہیں سکتے کہ اردو کا مستقبل تاریک ہے۔ محض سرکار کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے مایوس ہوجانا تاریخ سے بے خبر رہنے کا ثبوت ہے۔ دنیا کی کوئی زبان بھی محض سرکار کی سرپرستی سے نہ ترقی کر سکی ہے اور نہ کر سکتی ہے۔

کیا مغلیہ دور حکومت میں باوجود فارسی کے سرکاری زبان ہونے کے اردو ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی عوامی زبان نہیں بنتی چلی گئی؟ تو پھر اب ہندی کے سرکاری زبان قرار دیئے جانے کے بعد اردو کے مستقبل سے مایوس ہونے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اگر اردو زبان اور رسم الخط میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ باقی رہ سکتی ہے تو یقیناً باقی رہے گی اور ایسی مایوس کن پیشین گوئیوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔!!

یہ کہنا کہ اردو کو دیوناگری رسم الخط میں نشانات وضع کرکے آسانی سے لکھا جا سکتا ہے۔ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اس طرح اس بات کا امکان نہیں ہے کہ دیوناگری میں اردو کو منتقل کرنے کے بعد اردو ادب کی۔ لطافت و نزاکت، شوکت، فصاحت اور شیرینی باقی رہ جائے گی اور جب یہ خوبیاں پامال ہوجائیں تو میر و غالب، ۔ ۔ ۔ ۔ کہاں برقرار رہتے ہیں۔ اقبال و جوش کی شاعری میں کیا مزہ باقی رہ جاتا ہے ۔۔؟ غالب و محمد حسین آزاد، سرسید و ابوالکلام کی تحریروں کی شوخی و لطافت و فصاحت اور حسن کیا باقی رہ جائے گا ۔۔؟ اور بہادر یار جنگ و ابوالکلام آزاد کی تقریروں میں وہ شعلہ نوائی و جادو بیانی کا اثر کہاں باقی رہ سکتا ہے ۔۔؟ کیا اردو ادب کی ان خوبیوں کو لوٹ لینے کے بعد اس کی تلافی کی جا سکتی ہے۔

اردو کو دیوناگری رسم الخط میں منتقل کر بھی لیا جائے تو دیوناگری میں لکھی جانے والی اردو کی شان ایسی ہی ہوگی، جیسے ایک محفل میں ایک شخص کے ناک کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے، تو ایک کی آنکھ پھوٹی ہوئی ہے تو کسی کا ایک کان غائب ہے اور کسی کا آدھا سر منڈھا ہو ۔۔!!

اگر ہندی میں شاعر و رہبر کو [illegible] لکھا جائے تو شاید وہ نرہ بر ہی پڑھا جائے گا۔ شاعر و رہبر نہیں پڑھ سکتے اگر یہ غلط ہے تو پھر پوچھا جا سکتا ہے کہ ہندی میں شاعر و رہبر کس طرح لکھا جائے گا۔

یہ منطق تو سمجھ ہی میں نہیں آتی کہ اردو زبان والے اردو کو اردو رسم الخط میں لکھ کر ہندی والوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ جب کئی کئی مذاہب اور کئی کئی زبانیں بولنے والے ایک جگہ ہنسی خوشی سے بسر کر سکتے ہیں۔ تو صرف اردو رسم الخط کی موجودگی ہی کیوں علیحدگی کا جذبہ پیدا کرے گی اور تلخیوں کا باعث ہوگی؟

عقل حیران اور ناطقہ سر بگریباں ہے کہ محض اردو رسم الخط کی تبدیلی سے ہندوستان میں کون سا انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا۔

اردو عربی یا فارسی رسم الخط ایک بین الاقوامی رسم الخط ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں رائج ہے۔ اور غالباً انگریزی یا رومن رسم الخط کے بعد اسی رسم الخط کا دنیا میں دور دورہ ہے۔ ایسے عالمگیر رسم الخط کو چھوڑ کر ایک مقامی زبان دیوناگری کا رسم الخط اپنا لینا کون سی دانشمندی ہے ایسے وقت جبکہ اسی رسم الخط نے اسے دنیا کی تیسری بڑی زبان بنا دیا ہے۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اردو زبان و رسم الخط دونوں ہی ترقی یافتہ ہیں ۔۔۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اردو رسم الخط میں ابھی کچھ نقص باقی رہ گیا ہو جس کو اعراب یا سادہ طریقے پر اردو لکھ کر دور کیا جا سکتا ہے یا اس کے لئے علماء اردو ہی مل کر اس کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ محض تلفظ کی دقت وجود دور بھی کی جا سکتی ہے۔ تو کیا اردو کے اس تاج محل کو گرا دینا کونسی دانائی ہے۔ تاج محل کو منہدم کرکے یہ کہنا کہ ہم اس مٹی، چونے اور سنگ مرمر سے دوسری وضع کا تاج محل بنائیں گے۔ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔ تاج محل کی وضع ڈیزائن و رنگت کو بدلنے کے بعد خواہ چونا، مٹی و سنگ مرمر ہی کیوں نہ استعمال کیا جائے تاج محل کیسے کہا جا سکتا ہے۔؟

دنیا کے کس رسم الخط میں نقائص و دقت نہیں ہے خود انگریزی ہی کو لیجئے جو دنیا کی سب سے مقبول ترین زبان ہے کیا اس کے رسم الخط کے نقائص گنائے نہیں جا سکتے۔؟ کیا ہندی رسم الخط بے شمار نقائص کا حامل نہیں ہے؟ کیا حکومت ہند اور علمائے ہندی رسم الخط میں تبدیلیاں لانے کے متعلق غور کر رہے ہیں ۔۔۔ تو پھر

ان حالات میں ہندی رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ مبنی بر حقیقت ہے؟

یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کے بعد اردو یا ہندوستانی کا ارتقا ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی رفتہ رفتہ ہندی ہو کر رہ جائے اور اردو یا ہندوستانی کا وجود بھی باقی نہ رہے۔ اردو والے جب دیوناگری رسم الخط اختیار کرلیں گے تو وہ رفتہ رفتہ فارسی و عربی الفاظ کو استعمال کرتے جائیں گے اور ایک طویل مدت کے بعد جو نئی نسلیں آئیں گی، ان کے ذہن میں اردو کی ہیئت ان کے ذہنوں سے محو ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ ہر طرف ہندی ہی کا بول بالا ہوگا اس لئے وہ ہندوستانی یا اردو کا اس ہندی کو اختیار کرلیں گے۔ اس طرح رسم الخط کی تبدیلی سے اول تو اردو کی انفرادیت ختم ہو جائے گی اور پھر رفتہ رفتہ اردو اردو نہیں بلکہ ہندی ہو کر رہ جائے گی۔ اور اس طرح اردو کا قضیہ ہی ختم ہو جائے گا ___ اردو کو ناگری رسم الخط میں لکھنے کی تجویز اردو یا ہندوستانی کے ارتقا کے لئے تو نہیں البتہ اس کو مٹانے کے لئے کامیاب ہو سکتی ہے۔!

یہ بات صاف ہے کہ جب اردو ہندی رسم الخط میں لکھی جائے گی تو آنے والی نسلوں کو سابق کا اردو ذخیرہ ہندی رسم الخط میں منتقل کرنا ہوگا کیونکہ اس بات کا امکان قطعاً نہیں ہے کہ اردو کے سارے سابقہ ذخیرے کو حکومت یا اردو کے ادارے کروڑوں کے مصارف برداشت کرکے ہندی رسم الخط میں منتقل کرسکے۔ اور اس طرح آنے والی نسلیں اردو رسم الخط اور زبان سے نابلد ہو جائیں گی۔ کیونکہ بعد کی اردو کتابیں جو ہندی رسم الخط میں لکھی جائیں گی وہ اگرچہ ........ اردو ہی میں ہوں گی لیکن رفتہ رفتہ ہندی میں تبدیل ہوتی جائیں گی، اردو زبان کی بقا اور ارتقا کے لئے کوئی نہیں ہوگی۔ اور جب اس طرح آنے والی نسلوں کے سامنے نہ کوئی دلچسپی اردو کا ذخیرہ رہے اور چاروں طرف ہندی کا دور دورہ ہو تو لازمی بات ہے کہ نئی نسلیں ہندی ہی سے متاثر ہوں گی اور اس طرح اردو کا چلن ختم ہو جائے گا۔!!

غرض یہ تجویز اردو کے بہی خواہوں و دردمندوں کو تو خوش نہیں کر سکتی اردو والے نہیں چاہتے کہ ان سے اور ان کی آنے والی نسلوں سے ان کے اسلاف کا سرمایہ بے بہا چھین لیا جائے اور اردو زبان ان کی آنے والی نسلوں کے لئے محض ماضی کی یادگار بن کر رہ جائے!!

اردو کے لئے وہی رسم الخط ہوگا جس نے اس کو اتنی کم سنی (زبانوں کے ارتقا کو ملحوظ کرتے ہوئے اردو کی عمر اور مقبولیت و شہرت حیرت انگیز ہے) میں دنیا کی تیسری بڑی زبان بنایا اور جو دنیا کا دوسرا بڑا رسم الخط ہے۔!!

---

مراسلہ

# احوالِ غالب

احوالِ غالب۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد، شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند)، کے صفحہ ۵۳ پر جو مرزا غالب اور خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی کی ملاقات کا حال لکھنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب موصوف نے رقم فرمایا ہے کہ:۔

"اردوئے معلّیٰ طبع لاہور ۱۹۲۲ء کی ابتدا میں مرزا غالب پر ایک مضمون رسالہ ادیب سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ تحریر خواجہ عبدالرؤف عشرت کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ادیب سے مراد غالباً وہ رسالہ ہے جو نوبت رائے نظر الٰہ آباد سے شائع کرتے تھے۔ علی گڑھ میں اس رسالے کی تمام جلدیں موجود نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ آثارِ غالب اور غالب میں اس ملاقات کا حال درج ہے۔ لیکن حوالہ درج نہیں۔ اکرام صاحب کے یہاں مختصر اندراج ہے اور جناب مہر کے یہاں مختصر تر۔ یہاں خواجہ عزیز کا مکمل بیان نقل کیا جا رہا ہے۔ گو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں کچھ عبارت بھی تھی جو اردوئے معلّیٰ لاہور میں حذف کر دی گئی ہے ........"

اس کے متعلق ناظرین احوالِ غالب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مضمون محولہ بالا رسالہ ادیب الٰہ آباد کی جلد ششم شمارہ بابت ماہ جولائی اور ستمبر ۱۹۱۲ء میں "مرزا غالب دہلوی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ صاحب مضمون کا نام دیا ہوا نہیں ہے۔ گمان غالب ہے کہ مضمون خود ایڈیٹر حضرت شاکر میرٹھی کا لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد کا یہ خیال کہ اردوئے معلّیٰ طبع لاہور میں کچھ عبارت حذف کر دی گئی ہے صحیح نہیں ہے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات کا جتنا بھی حال بطور اقتباس خواجہ عزیز صاحب کی زبانی اردوئے معلّیٰ سے لے کر احوالِ غالب میں درج ہے بجنسہ وہی عبارت ادیب میں بھی پائی جاتی ہے اور اقتباس کے اختتام پر حاشیہ میں نوٹ ہے کہ:۔

"یہ حالات ہمیں خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کی اعانت سے دستیاب ہوئے ہیں۔"

رسالہ ادیب الٰہ آباد جنوری ۱۹۱۰ء سے جون ۱۹۱۳ء تک نکل کر بند ہو گیا تھا۔ اس کا مکمل فائل (رسالت جلدیں) کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ میں محفوظ ہے۔ جنوری ۱۹۱۰ء سے مئی ۱۹۱۰ء تک رسالہ منشی نوبت رائے نظر لکھنوی کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس کے بعد جون

سنہ ۱۹۱۲ء سے دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء تک حضرت شاکر میرٹھی کی ادارت میں نکلا۔ اور جب وہ بھی اس کی ادارت سے علیحدہ ہو گئے تو حضرت حسیر عظیم آبادی نے قلمدان ادارت اپنے ہاتھ میں لیا۔

اردو جرنلزم سے جن حضرات کے تعلقات دیرینہ ہیں وہ حضرت نظر لکھنوی اور شاکر میرٹھی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ حضرت حسیر عظیم آبادی کے جاننے والوں کا حلقہ بہت ہی محدود ہے ان کا پورا نام سید ابوالقاسم اور تخلص حسیر تھا۔ ان کا اصلی وطن سب ڈویژن باڑھ ضلع پٹنہ (بہار) کی ایک گمنام بستی سنگ بہرا تھا۔ اردو اور فارسی کے علاوہ انھوں نے انگریزی کی تعلیم ایف۔ اے تک پائی تھی۔ ممدوح نے سرکار برٹش کی ماتحتی میں بہت سے علمی محکموں میں کام کیا تھا۔ ایک زمانے تک آپ امپریل لائبریری و ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے مستشرقی محکموں سے متعلق رہے تھے۔ فائلولوجی یعنی علم اللسان کے اچھے ماہر ہونے کے علاوہ آپ ایک تجربہ کار اڈیٹر بھی تھے۔ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء سے جون سنہ ۱۹۱۳ء تک ادیب آپ کی ادارت میں نکل کر بند ہو گیا۔ آپ کا انتقال چالیس سال کی عمر میں سنہ ۱۹۲۳ء میں ہوا۔

محمد شیر الحق۔ دسنوی عظیم آبادی

# انجمن کی خبریں

**بمبئی** انجمن ترقی اردو (شاخ بمبئی) کا سالانہ اجلاس مورخہ ۲۴ جون سنہ ۱۹۵۳ء کو انجمن اسلام ہائی اسکول کے ہال میں منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت حاجی نور محمد احمد صاحب نے فرمائی۔

جلسے کا آغاز جنرل سکریٹری کی طرف سے انجمن کی سال گذشتہ کی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرنے سے ہوا۔ جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب جنرل سکریٹری انجمن (بمبئی شاخ) نے اپنی اس رپورٹ میں بتایا کہ سال گذشتہ کی کارگزاریوں میں بعض امور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ سال کے شروع میں جناب جگر مرادآبادی صاحب بمبئی تشریف لائے تھے چنانچہ ان کے اعزاز میں ایک دعوت عصرانہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

یکم اگست سنہ ۱۹۵۳ء احمد سیلر ہائی اسکول واقع ڈنکن روڈ میں ایک دارالمطالعہ کا اجرا عمل میں آیا۔ اس لائبریری کا افتتاح مسٹر پیرن کپتن نے کیا۔

جنرل سکریٹری نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ انجمن کے زیر اہتمام پنڈت سندرلال صاحب کی ایک تقریر بیگم محمد مبارک میں ہوئی۔ نیز حضرت جگر مرادآبادی کی حج سے واپسی کے موقع پر ان کے اعزاز میں ایک خاص مجلس منعقد کی گئی۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات حسرت آیات پر بمبئی کے دیگر اداروں کے اشتراک عمل سے انجمن اسلام ہال میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کر کے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

## انجمن کی آمدنی و خرچ کا گوشوارہ

جنرل سکریٹری کی رپورٹ کے بعد انجمن کے چارٹرڈ اکاونٹس کا منظور کردہ آمدنی و خرچ کا گوشوارہ پیش کیا گیا جو منظور کر لیا گیا۔

انجمن کے آئین میں متعدد ترمیمات زیر غور تھیں چنانچہ مجلس انتظامیہ نے جن ترمیمات کو آخری طور پر منظور کر لیا تھا، وہ ایک ایک کر کے انجمن کے اراکین کے سامنے رکھی گئیں اور بالاتفاق رائے منظور کر لی گئیں۔

بعد ازاں مجلس انتظامیہ کے عہدیداروں اور اراکین کا انتخاب ہوا۔ انتخابات کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| (۱) | صدر | حاجی نور محمد احمد صاحب |
| (۲) | نائب صدر | محترمہ صفیہ زبیر |
| (۳) | جنرل سکریٹری | مدن موہن کالیہ صاحب |
| (۴) | نائب سکریٹری | عبدالرزاق قریشی صاحب |
| (۵) | خازن | سید شہاب الدین دسنوی صاحب |

اراکین :- (۱) جناب تصدق حسین (۲) جناب انصار علی (۳) جناب عبدالحلیم ساحلی (۴) جناب شیخ عبدالقادر (۵) جناب انور احمد جعفری (۶) جناب فضل اللہ فاروقی (۷) جناب تلاور جے ولیم (۸) جناب ظل عباس عباسی (۹) جناب لطفی رضوانی (۱۰) جناب عبداللہ پرکار (۱۱) جناب ارشد احمد (۱۲) جناب کھتری صاحب۔

آخر میں صدر صاحب کی اجازت سے جنرل سکریٹری صاحب سید شہاب الدین دسنوی صاحب نے انجمن کے دارالمطالعہ کے انچارج حامد اللہ ندوی صاحب کی مرتب کردہ ایک دلچسپ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ دارالمطالعہ میں تقریباً ۲۵ ادبی، علمی اور ترقی رسائل اور اخبارات موصول ہو رہے ہیں۔ بچوں کے ذوق اور قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہند و پاکستان میں شائع ہونے والے بچوں کے معیاری رسائل منگوانے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ ۱۹۵۲ء سے مئی ۱۹۵۳ء تک ماہوار پانچ سے آٹھ سو مطالعہ کنندگان دارالمطالعہ سے استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ اور اس دوران میں تقریباً ساڑھے چھ ہزار افراد نے علمی اور ادبی ذوق کی تسکین کے لئے دارالمطالعہ میں وقت گزارا۔

جو لوگ مطالعہ کرنے آتے ہیں ان میں معمولی پڑھے لکھے بھی ہیں اور زیادہ تعلیم یافتہ بھی۔ ان کے تاثرات معلوم کرنے کا کوئی باقاعدہ رسمی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ البتہ فرداً فرداً مطالعہ کنندگان نے جو رائیں مختلف طریقوں سے ظاہر کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دارالمطالعہ اردو پڑھنے والوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے اور اس کی ہر دلعزیزی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

رپورٹ میں ایک ڈپٹی انسپکٹر آف مدارس اسکولس کے غیر رسمی سفارشی الفاظ کا تذکرہ تھا۔ ان الفاظ میں موصوف نے فرمایا ہے کہ دار المطالعہ دیکھ کر میرا جی بہت خوش ہوا۔

انجمن کے اراکین نے دار المطالعہ کے وجود سے تسلی کا اظہار کرتے ہوئے رسائل کے نئے چندے کی رقموں کی منظوری دے دی۔ نیز مقامی اخبارات کے مالکوں اور ایڈیٹروں کا شکریہ ادا کیا جن کے اخبارات کی وجہ سے دار المطالعہ کی افادیت میں اضافہ کر رہے ہے اور امید ظاہر کی کہ جو مقامی اخبارات ابھی تک دار المطالعہ کو نہیں پہنچ رہے ہیں ان کے مالکان اس طرف توجہ دیں گے۔

صدر کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

**کچھوچھہ شریف** آستانہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں مرکزی انجمن ترقی اردو کے قیام کے سلسلے میں ایک عارضی کمیٹی بنائی گئی ہے جس کے کنوینر حسن مثنیٰ صاحب اشرفی علیگ بنائے گئے ہیں۔ یہ کمیٹی عنقریب ایک عام اجتماع کرے گی جس میں شاخ کے عہدے داران و اراکین کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ اسی موقع پر ایک ادبی جلسہ اور مشاعرے کی بزم بھی منعقد کی جائے گی۔

حسن مثنیٰ صاحب کی تحریک پر سجادہ صاحب کے نورنگاہ سید اظہار اشرف صاحب نے وہاں کے قدیم کتب خانہ "اشرفیہ" کی جدید اصولوں پر تنظیم کی ہے اور اس کی ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ہے جس کے صدر عالی جناب سید محمد مختار اشرف صاحب سجادہ نشین درگاہ شریف اور مہتمم سید حبیب اشرف صاحب منتخب ہوئے ہیں۔ اس کتب خانے میں مختلف علوم و فنون بالخصوص تصوف، تاریخ اور طب کے بیش بہا قلمی نوادر موجود ہیں ان مخطوطات اور نوادر کی فہرست بھی حسن مثنیٰ صاحب ترتیب دے رہے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ خانقاہوں کے ساتھ مشائخ کتابوں کا ذخیرہ بھی رکھتے تھے۔ جس سے تشنگان دور دور سے آکر اپنی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ یہ کتب خانہ اسی دور کی ایک یادگار ہے۔

(نامہ نگار)

**امروہہ** قمر النسا بیگم سکریٹری شعبۂ خواتین انجمن ترقی اردو امروہہ تحریر فرماتی ہیں کہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء ۸ بجے شب شعبۂ خواتین انجمن ترقی اردو امروہہ کا پانچواں ماہانہ جلسہ برمکان جناب حکیم اسلام الحق صاحب صدیقی محلہ قریشی میں منعقد ہوا۔

ابتداء میں قریشی گرلس اسکول امروہہ کی طالبات نے دعائیہ نظم پڑھی اس کے بعد بچیوں کا پروگرام شروع کیا گیا اور بہت سی نظمیں اور کہانیاں سنائی گئیں۔ بعد صالحہ بیگم صاحبہ صدر انجمن، قمر النسا بیگم سکریٹری انجمن، حامدہ بیگم صاحبہ اور رفیقہ سلطانہ صاحبہ نے اتحاد و اتفاق محبت و پیاری، سکون کی تلاش، اور شعراء کے لطائف کے عنوان سے مضامین پڑھے۔ مضامین کے دلچسپ انداز میں راحت اندوز ہونے کے بعد...

امیر بانو، اور نازنین وغیرہ طالبات نے نظمیں پڑھ کر سنائیں۔ آخر میں صدر انجمن نے صاحب خانہ اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

**کرنول** سید غوث محی الدین صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول نے حسب ذیل اطلاع بھیجی ہے۔

۲۰ جون ٹھیک دس بجے صبح کو انجمن ترقی اردو کا جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، صدر انجمن ترقی اردو ہند نے فرمائی اور کہا کہ:

اردو کی ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ حامیان اردو اپنی تنگ نظری اور پست خیالی سے ہٹ کر وسیع النظر ہو جائیں۔ دوسری زبانوں کے متعلق تعصبانہ ذہنیت کا خاتمہ کر دیں۔ جہاں تک ہو سکے اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی جائے اور ایک ایسا دار المطالعہ قائم کیا جائے جس میں اردو کے کثیر رسائل و جرائد کے ساتھ ساتھ تلگو اور ہندی اور دوسری زبانوں کے ایک دو اخبارات بھی شامل ہوں۔ تاکہ دوسری زبان جاننے والے بھی اس دار المطالعہ سے فائدہ اٹھا سکیں اور انھیں اس دار المطالعہ میں اردو اخباروں کے دیکھنے سے اردو کو سیکھنے اور پڑھنے کا جذبہ پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔

نیز اپنے بہترین لٹریچر کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرکے زبانوں میں ادبی ربط پیدا کیا جائے تاکہ وہ لوگ جو اردو سے واقف نہیں ہیں اردو کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ آپ نے یہ بھی رائے دی کہ اگر ہو سکے تو ایک ایسا اخبار نکالا جائے جس میں صرف دوسری زبانوں کے ترجمے شائع ہوتے رہیں۔ اس فعل سے اردو کی کافی ترقی ہو سکتی ہے اور یہ ایک عملی اقدام ہوگا۔

اردو زبان نے دوسری زبانوں کے عام فہم اور آسان الفاظ و محاورات اپنانے میں بہت ہی فراخدلی سے کام لیا ہے اس لئے حامیان اردو کو چاہئے کہ وہ بھی تعصبانہ ذہنیت کا خاتمہ کرتے ہوئے اردو زبان کے ساتھ دوسری زبان بھی سیکھنے کی کوشش کریں، اور دوسری زبانوں کے لٹریچر کو اردو میں پیش کریں۔ تقریر ختم ہونے کے بعد عبد الرحمٰن خاں صاحب نائب جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو نے اراکین انجمن کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کیا۔

**مشاعرہ** ۲۲ جون ۹ بجے شب بمقام عثمانیہ کالج انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک غیر طرحی مشاعرہ زیر صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب منعقد ہوا۔ عثمانیہ کالج اور مقامی شعراء کے علاوہ غیر مقامی شعرائے کرام نے بھی شرکت فرمائی۔ مشاعرے کا آغاز نعت سے ہوا جس کو قادری صاحب نے اپنے خاص انداز میں سنایا۔

مولانا غضنفر علی صاحب زیدی نے شعرائے کرام کا تعارف عوام اور ان مہمانوں سے کرایا جو مولانا الحاج ڈاکٹر عبد الحق صاحب

کی دختر نیک اختر کی تقریب شادی کے سلسلے میں جمع ہوئے تھے۔ شعرائے کرام نے اپنے پسندیدہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

مشاعرے کے اختتام پر ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اہل کرنول اور انجمن کی طرف سے مقامی اور غیر مقامی شعرائے کرام اور جناب صدر کا شکریہ ادا کیا۔

# اردو کی خبریں

## اردو کالج دہلی

اس زمانے میں جبکہ ہمارے اتر پردیش میں خصوصاً اور ہر کہیں عموماً اردو کے خلاف آوازیں سننے میں آتی ہیں، یہ معلوم کرنا مسرت کا موجب ہوگا کہ مشرقی پنجاب کے حال کے اردو امتحانوں میں اردو کالج دہلی کی نمایاں کامیابی ذکر اور اعتراف کے قابل ہے۔ یہ تذکرہ کچھ تفصیل چاہتا ہے علامہ کیفی اور مولانا اخلاق دہلوی کی تحریک اور مساعی سے انجمن ترقی اردو نے ایک شبینہ کالج دہلی میں قائم کیا تھا اور دہلی کالج کے منتظموں سے چند کمروں کا استعمال حاصل کرکے اس وقت کی پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات۔ ادیب، ادیب عالم اور ادیب فاضل کی تعلیم جاری کی تھی۔ کئی برس تک یہ کالج نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک سال کے ادیب فاضل کے امتحان میں اس کالج کا ایک امیدوار یونیورسٹی بھر میں اول نکلا۔

۱۹۴۷ء کے جھگڑوں میں یہ کالج بند ہو گیا تھا۔ اب مولانا اخلاق کی کوششوں سے یہ کالج پھر تازہ ہوا ہے مگر اس کا مقام اب دہلی کی بجائے حضرت نظام الدین ہے۔ اس کے پرنسپل مولانا اخلاق ہیں۔ علامہ کیفی بھی نصاب سے متعلق بعض مشکلات کے حل کرانے میں باوجود اپنی خراب صحت کے امداد کرتے رہتے ہیں۔ مشرقی پنجاب کی یونیورسٹی نے مذکورہ امتحانوں کو قائم رکھا ہے چنانچہ اس سال کے ادیب فاضل کے امتحان میں تیرہ امیدوار اس کالج سے بھیجے گئے، جن میں سے گیارہ کامیاب ہوئے ایک کمپارٹمنٹ میں آیا اور صرف ایک فیل ہوا۔ بہ حساب اوسط کامیابی قریباً ۸۵ فیصدی ٹھہرتی ہے جو واقعی نمایاں ہے۔ اس کامیابی کے لئے مولانا اخلاق دہلوی کو مبارک باد ملنی چاہئے۔

یہاں تک تو اس خبر کو معمولی اہمیت دی جائے گی لیکن خاص اہمیت جو اس کالج اور اس نتیجے سے وابستہ ہے یہ ہے کہ امیدواروں کی ساری تعداد میں جو مذکورہ امتحان میں بیٹھی ایک فرد واحد کے سوا باقی سب ہندو نوجوان ہیں۔ یہ واقعہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو کہتے ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں اور ایک خاص طبقے کی زبان ہے اور کل جنتا کی زبان نہیں۔ کیا یہ خبر سن کر اتر پردیش کی قسمت کے ذمہ دار حضرات ٹھنڈے دل سے غور کرکے اس امر کے تسلیم کرنے میں اب بھی ضد کریں گے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ (نامہ نگار)

## ناگپور شاکر

ناگپور ۲۲ جون کی شام کو انجمن ہال صدر بازار میں عالی جناب شاکر اورنگ آبادی کو اردو کے ایم۔ اے امتحان میں نمایاں طور سے کامیابی حاصل کرنے پر شہر انجمن ترقی اردو ناگپور کی طرف سے ایک شاندار عصرانہ دیا گیا۔

تلاوت قرآن پاک اور ترانۂ اقبال کے بعد انجمن ترقی اردو اور ادارہ چندر کی جانب سے ہار پہنایا گیا۔ ماسٹر فرید تنویر نے انجمن ترقی اردو کی جانب سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے باعث افتخار ہے کہ شاکر صاحب نے ایم اے کا امتحان نہ صرف اعلیٰ نمبروں سے اردو میں پاس کیا بلکہ طلائی تمغہ حاصل کرکے امتیاز حاصل کیا۔

ماسٹر ہدایت حسین صاحب نے تاریخ اردو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ایسے ادب کی بنیاد رکھی جائے جو اپنی تہذیب اور تمدن کو قائم رکھے انجمن ترقی اردو فرقہ دارانہ جماعت نہیں۔ اردو زبان نے دوسری زبانوں کی ترقی و ترویج کے لئے نئی شاہراہ کھول دی ہے۔ ہمیں جتنی اپنی مادری زبان سے محبت ہے اتنی ہی عزیز ہمیں ہماری راشٹر بھاشا ہے۔ ہم راشٹر بھاشا کو نہ اپنا کر وہ غلطی نہ کریں گے جو انگریزی دور کی ابتدا میں سرزد ہوئی تھی ماہرین تعلیم کا فیصلہ ہے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دی جائے لہٰذا ہم اپنے بچوں کو اپنی مادری زبان میں ہی تعلیم دیں گے خواہ ہمیں اس کے لئے کتنی ہی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ہم اردو کے لئے اپنی جد و جہد جاری رکھیں گے۔ (نامہ نگار)

# تبصرے

## دھندلے خاکے

ملنے کا پتہ:۔ من موہن چترویدی۔ عثمان پورہ۔ اورنگ آباد

قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

"دھندلے خاکے" من موہن چترویدی صاحب کے آٹھ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے جو بہ قول مبارز الدین رفعت صاحب پروفیسر اردو انٹر کالج اورنگ آباد

"من موہن کے آغاز شوق کی کاوشوں کے "دھندلے خاکے" ہیں!"

## اکبر نامہ

ملنے کا پتہ:۔ ہندوستان میں۔ انوار بک ڈپو۔ لکھنؤ۔

پاکستان میں۔ مبارک بک ڈپو۔ بندر روڈ مقابل ڈنسو ہال کراچی نمبر ۲۔ قیمت تین روپے

"اکبر نامہ" جس کا دوسرا نام ہے "اکبر میری نظر میں" صاحب طرز انشا پرداز حضرت

مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کے تیرہ پرانے مضامین کا مجموعہ ہے جو ان کی نظر ثانی کے بعد نوتشکیل ادارہ فروغ اردو نے شائع کیا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کے کلام و پیام اور ان کے فن کی عظمت کو سمجھنے کے لئے اس مجموعہ کا مطالعہ نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجموعے کا نام ایک ہی ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ دوسری اشاعت میں کتابت کی غلطیوں کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

---

**فروغ اردو**　ملنے کا پتہ:۔ ہندوستان میں:۔ ۳۳ امین آباد پارک لکھنؤ
پاکستان میں:۔ مبارک بک ڈپو۔ حیدر روڈ مقابل نیشنل بنک کراچی ۲۔ قیمت ایک روپیہ۔

فروغ اردو، ماہانہ رسالہ ہے جو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی اشاعت کا مقصد خود اس کی زبان میں:۔

"اردو کی بقا اور اردو کے تحفظ کی علمبرداری ہے"۔

اس کے معاونین میں ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، محمد احسن فاروقی ایک حکیم عبد القوی دریابادی اور شجاعت علی صاحب سندیلوی شامل ہیں جو رسالے کی صحت و صداقت کی بڑی ضمانت ہے۔

فروغ اردو کے نام سے ایک ادارہ ملک کے تقسیم ہونے کے بہت پہلے سے لاہور میں قابل تعریف کام کر رہا ہے۔ خدا کرے لکھنؤ کا یہ نوتشکیل ادارہ فروغ اردو اس سے پیچھے نہ رہے۔

**تنویر**　ملنے کا پتہ:۔ شاہ نصیر فریدی۔ آگرہ۔
قیمت مجلد تین روپیے۔

مصنف بننے کا شوق کس کو نہیں ہوتا۔ مگر یہ سعادت ایسی نہیں ہے جو بزور بازو حاصل کرلی جائے یا کسی دکان سے منگوالی جائے۔

افسانہ نگاری اور ناول نویسی کا فن جتنا مشکل ہے سستی شہرت کے طلب گاروں نے اس کو اتنا ہی آسان بنا دیا ہے۔ "تنویر" ناول کے مصنف بقلم خود۔

"خاکسار پروفیسر شاہ نصیر الدین محمد فریدی ایم اے علیگ" اسی قسم کے لوگوں میں ہیں جو گھر بیچ کر شہرت کی بیماری خریدتے ہیں۔ اس ناول میں تذکیر و تانیث کی غلطیوں کے علاوہ جو زبان استعمال کی گئی ہے ایک ایم۔ اے علیگ کے لئے حد درجہ شرمناک ہے۔ ان کی ادبی عظمت کو شبہ لگتا ہے۔ چند اوراق کے سرسری جائزے سے قابل ملاحظہ ہیں۔

خبر بھی نہیں دیا تھا۔
تیغر کے دل میں یہ بات بالکل سمجھ میں آگئی۔
کون سی گروہ۔
دوسری طول
دروازے کی ڈیوڑھی
دل کو اطمینان قلبی
عجیب الغیب چڑیا
ایک طنزیہ مسکراہٹ ہنستا ہے
غازی پور کے اندر
حسن کے اوپر
سمندر کے پانی کے اندر

ناول کے خاتمے پر ختم شد کے نیچے لکھا ہوا ہے کہ

"پروفیسر شاہ نصیر فریدی کا دوسرا دلچسپ ناول "شناور" فوراً طلب کیجئے"!

گلستان سے بہار کا قیاس اگر صحیح ہے تو پروفیسر صاحب کے پہلے ناول تنویر کے بعد اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ "شناور" میں زبان و ادب کے کیسے کیسے گل بوٹے ہوں گے۔

---

## حضرت ندرت میرٹھی اور طارق برہان پوری کا انتقال

علمی اور ادبی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و ملال کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ۳۰ جون ۱۹۵۳ء کی شام کو ۸ بجکر ۴۰ منٹ پر فن و شعر و ادب کے مسلم الثبوت استاد حضرت ندرت میرٹھی کا ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا ایک ۔۔۔ اکمل ترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جامع صفات انسان بھی تھے۔ آپ کو ۔۔۔ فن شعر و عروض پر پوری قدرت حاصل تھی آپ نے اردو ادب کے لئے اپنی کئی غیر مطبوعہ تصانیف کے علاوہ تین مطبوعہ دیوان چھوڑے ہیں، خونابہ دل۔ صحیفہ ندرت اور لوح و قلم، افسوس ہے کہ شعر و ادب کا ایک بڑا خادم دنیا سے اٹھ گیا۔

یہ خبر علمی و ادبی حلقوں کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہے۔

کہ ادیب کامل مولوی حافظ محمد یوسف خاں صاحب طارق جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو برہان پور اچانک بیہوش ہوکر سہ روزہ غشی کے بعد ۳۰ جون ۱۹۵۳ء کو قریب نصف شب راہی ملک بقا ہوگئے۔

مرحوم اس دور پرفتن میں بڑی خوبیوں کے مالک تھے ایسے ذہین کے پکے، اس قدر خلیق اور اس درجہ علمی و ادبی خوبیوں کے مالک اور سرگرم کارکن خال خال نظر آتے ہیں۔ مرحوم کی اچانک اور بے وقت موت سے نہ صرف برہان پور بلکہ پورے مدھیہ پردیش کو جو نقصان عظیم ہوا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔　(نامہ نگار)

پبلشر:۔ محمد عبد الغفار مرکزی دفتر انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
پرنٹر:۔ نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ